رسالہ

اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الٰہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا
شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصول ڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے۔
(مینیجر)

تعلیم اسلام

لیکچر ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپکر آگیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت عہ اور غیر مجلد کی ۱۲؍ ہے چونکہ ولایت میں اس کی مفت اشاعت ہوگی اس لیئے احباب اپنے لیئے بھی خریدیں اور اس جگہ یا ولایت میں مفت تقسیم کراکر بھی ثواب لیں۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اُردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینیجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں۔ دفتر میں ان کی ضرورت ہے۔

اُردو ریویو۔ جنوری ۱۹۰۲ء۔ جنوری۔ فروری ۱۹۱۰ء۔

انگریزی ریویو۔ جنوری۔ اپریل۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء۔ جنوری ۱۹۰۴ء۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ جنوری ۱۹۰۹ء فروری ۱۹۱۰ء۔

اطلاع:۔ خریداران کیخدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

Digitized by Khilafat Library

دنیا کے مذاہب پر ناقدانہ نظر

جلد ۱۰	بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء	نمبر ۱۰

چندہ سالانہ — عوام سے عہ طلباء سے ؎

فہرست مضامین

ابطال تناسخ ۳۵۷ - ۳۷۶

مسیحی معجزات ۳۷۶ - ۳۸۷

ریویو ۳۸۸

ایک ضروری اعلان ۳۸۹ - ۳۹۳

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۹۳ - ۳۹۶

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ابطال تناسخ*

(از طرف قاضی عبدالحق صاحب)

عالم حیوانات میں جو مختلف قسم کے نظارے مشاہدہ میں آتے ہیں اور وہ گوناگون تغیرات جو اس عالم میں نظر آرہے ہیں ان کو دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے اور اس معمہ کے حل کرنے کے لیئے تمام کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اس مشکل کے حل کرنے کے لیئے انسانی دماغ نے مختلف قسم کی راہیں سوچی ہیں جو صرف اٹکل بازی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بہت سے اہل الرائے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ایک گھر میں ایک بینا بیٹا پیدا ہوتا ہے اور دوسرے میں نابینا۔ ایک بادشاہ کے عالیشان محل میں پیدا ہوتا ہے اور دوسرا ایک غریب درویش کی جھونپڑی میں۔ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ پر بحث مباحثے اور غور و فکر ہوتا رہا ہے۔ ہندوؤں کے رشیوں نے اس مشکل کو نہایت ہی عجیب طریق سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوؤں کا قول ہے کہ موجودہ اختلاف مراتب انسان کی پہلی جونوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ یہ جونوں کا سلسلہ بڑا لمبا اور طویل ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہندوؤں میں یہ خیال کب پیدا ہوا مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خیال ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جبکہ دنیا ابھی اپنی بچپن کی حالت میں تھی ہند کی سرزمین ہمیشہ وہم پرستی کا گھر بنی رہی ہے،

* اصل مضمون انگریزی میں ہے جس کا یہ اردو ترجمہ ہے ؏

اس لیئے یہ تناسخ جیسے خیالات کیلیئے نہایت موزون تھی ؛

زمانہ ہائے دراز کے گذرنے کیوجہ سے تناسخ کا خیال اب عام ہندوؤں کے رگ و ریشہ میں ایسا رچ گیا ہے کہ اب اس کا نکالنا کوئی آسان امر نہیں۔ ہر ایک ہندو بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اس خیال کو جذب کرتا ہے۔ جب سے کہ بیرونی مذاہب نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے۔ مسئلہ تناسخ نہایت ہی زبردست نکتہ چینی کا نشانہ بنا رہا ہے یہاں تک کہ معقول اعتراضوں کے حملوں نے اس عقیدہ کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا ہے مگر پھر بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو اپنے پرانے اور دیرینہ وہم کو ترک کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس مضمون کے لکھنے سے میرا یہ منشاء نہیں کہ میں ان اعتراضات کو پھر دہراؤں۔ میں صرف اس اصل پر بحث کروں گا جسپر اس سارے مسئلہ کی بنا رکھی گئی ہے ؛

اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دنیا کا رنج و راحت گذشتہ جونوں کے برے یا بھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی راجہ بنکر زندگی کے مزے اٹھا رہا ہے تو اس لیئے کہ اس کی پہلی جون کے اعمال اس قسم کے تھے کہ وہ اسی راحت اور آرام کا مستحق تھا اور اگر کسی نے چوہے یا بلی کی جون میں جنم لیا ہے تو اس لیئے کہ اس کی پہلی زندگی کے اعمال اسی لائق تھے کہ اسکو چوہا یا بلی بنایا جاتا۔ جسقدر مفید اور کار آمد جانور دنیا میں پائے جاتے ہیں جو انسان کے آرام کا موجب ہیں ان کا وجود تناسخ کے عقیدہ کے رو سے انہی بد اعمال کی برکت کی وجہ سے ہے جو انسانوں نے پہلی جونوں میں کیئے جن کی وجہ سے ان کی روحوں کو گھوڑوں۔ بیلوں۔ اونٹوں۔ ہاتھیوں گدھوں۔ بکریوں۔ بھینسوں۔ گایوں۔ مرغیوں وغیرہ کی جونوں میں ڈالا گیا پس گناہوں کا انسان پر بڑا احسان ہے کیونکہ انہی کی وجہ سے ایسے ایسے جانور وجود میں آئے جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان پہلی جونوں میں گناہ نہ کرتے تو ان مفید اور ضروری جانوروں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اگر انسان گنہگار نہ ہوتا تو زمین کی سطح ان کار آمد جانوروں سے بالکل ننگی ہوتی۔ اگر اتفاقاً انسان گناہوں سے

پاک ہوتا تو جس قدر جانور سمندروں دریاؤں اور جھیلوں میں پائے جاتے ہیں اُنکا بھی نام و نشان نہ ہوتا کیونکہ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کے رو سے برّ و بحر کے سب جانور اور سب کیڑے اور مکوڑے۔ چارپائے اور مچھلیاں اور ہوا کے پرندے انسانوں کی روحیں اپنے اندر رکھتے ہیں جو اپنی گذشتہ جُونوں کے اعمال بد کی شامت سے ان جانوروں کے اجسام میں قید ہیں۔ اس مسئلہ کی معقولیت یا عدم معقولیت کے جانچنے کے لیئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ انسان کس غرض کے لیئے پیدا کیا گیا۔ اُس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا اس دنیا کا رنج و راحت انسانی زندگی کے اصل مدّعا کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے۔ اگر انسانی پیدائیش کے اغراض پر راحت یا رنج کے حالات کچھ اثر نہیں ڈالتے اور اس رنج و راحت سے انسانی زندگی کے مقاصد میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا تو پھر تناسخ کا عقیدہ صریحاً باطل ہے۔ جس قدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں اُن سب کا متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی غرض و غائت اور اصل مقصود نجات کا حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ نجات سے مراد خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے جو بد اعمال سے پرہیز کرنے اور نیک اعمال کے بجالانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس دنیا کا عیش و آرام کسی کے نزدیک بھی انسانی زندگی کا مدّعا نہیں ہے۔ اس لیئے یہ کہنا درست نہیں کہ موجودہ زندگی کا عیش و آرام ہر صورت میں ضرور انسان کے نیک اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک درویش اپنی پھٹی پُرانی چٹائی پر بیٹھ کر ایسے ہی نیک اعمال بجا لاسکتا ہے جیسے کہ ایک بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھکر بجا لاسکتا ہے۔ اگر دونوں اپنے خداداد قویٰ کو نیک محل پر استعمال کریں اور خدائے تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں تو دونوں نجات حاصل کرنے کے لحاظ سے مساوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسطرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی میں انسان خواہ کیسا ہی حیثیت اور درجہ رکھتا ہو اعمال کے بجالانے میں اُس کو آزادی حاصل ہے۔ اگر ایک نابینا اپنی آنکھوں کے ذریعہ نیک کام بجا نہیں لاسکتا تو وہ اُن

آنکھوں کے ذریعہ بُرے کاموں کا بھی تو ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک بہرا اور گونگا اگر اُن نیک کاموں کو بجا نہیں لا سکتا جو کانوں اور گویائی سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ اُن بُرے کاموں سے بھی تو محفوظ رہتا ہے جن کا ارتکاب انسان اُن دو عضووں کے ذریعہ کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک دولتمند بادشاہ کے لیئے یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے تو اس کے لیئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ غرباء پر رحم کرے اور خیرات سے اُن کو خوشحال کرے۔ جو صرف ایک نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح اگر ایک غریب آدمی میں چوری کرنے کا لالچ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ حلیمی اور انکسار کے بھی بمقابلہ دولتمندوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک صورت میں نیکی اور بدی کا یکساں امکان پایا جاتا ہے اور سب کو نجات حاصل کرنے کا موقعہ یکساں طور پر حاصل ہے۔ کوئی ایسا درجہ یا حیثیت نہیں جو انسان کو نجات حاصل کرنے سے مانع ہو۔ دنیا کی راحتیں انسان کی زندگی کے اصل مقصود کو حاصل کرنے کے لیئے کوئی یقینی سیڑھی نہیں ہیں اور نہ ہی تکالیف اور مصائب نجات کے راستے میں سدِّ راہ ہو سکتی ہیں۔ مختلف قسم کے حالات جن میں سے انسان کو گذرنا پڑتا ہے وہ اُس کے اندرونی مخفی قویٰ کے ظاہر کرنے اور اُن کی تربیت اور تکمیل کا ایک ذریعہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ جس نے تمام روحوں کو پیدا کیا وہ اُن کے میلانوں۔ قابلیتوں اور مخفی طاقتوں کا پورا پورا علم رکھتا ہے تمام لوگ جو خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایسا رحیم اور ایسا حکیم ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ انسان کی بھلائی اور فائدہ کے لیئے کرتا ہے۔ جب انسان اُن باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جن کی حقیقت معلوم کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور جب وہ اُن امور پر احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے دائرہ فہم سے باہر ہیں۔ غرض جب وہ اپنے انسانی دائرہ سے نکلکر الٰہی اسرار پر حاوی ہونے کی جرأت کرتا ہے تو اُس وقت وہ اپنے تئیں مشکلات میں پھنسا دیتا ہے۔ یہ

ضروری نہیں کہ زمین و آسمان کے اسرار سب کے سب اُس کو معلوم ہوں۔ اگر وہ صرف اُنہی چیزوں تک اپنے تئیں محدود رکھے جو اُس کی ہیں اور اُن چیزوں سے اجتناب کرے جو اُس کی نہیں ہیں تو یہ اُس کے لیئے بہتر ہے۔ اگر اُس کو خدائے تعالیٰ کی کامل حکمت اور علم پر پورا ایمان ہوتا تو جو انتظام خدائے تعالیٰ نے اس کے لیئے کیا ہے اسکی موزونیت پر اُس کو کبھی شک نہ گذرتا۔ چونکہ خدائے تعالیٰ انسان کا خالق ہے اس لیئے وہ جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ ایک انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں کن حالات میں سرسبز ہو سکتی ہیں اور کہاں وہ اچھے سے اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ انسان کے لیئے یہ کہنا محض حماقت ہے کہ فلاں گداگر اگر بادشاہ ہوتا تو وہ اچھا بادشاہ بنتا اور اگر فلاں بادشاہ کلرکی کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا تو وہ کلرکی کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہوتا۔ صرف طاقتوں اور قوتوں کا پیدا کرنیوالا اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی شخص اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ صرف قویٰ کا فرق بے انصافی کی دلیل نہیں ہو سکتا جبکہ ہر ایک آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس مقام پر وہ رکھا گیا ہے وہ اُس کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہے اور اُس کی اندرونی طاقتوں اور میلانوں کے لیئے سب سے زیادہ مناسب ہے۔ جو جو طاقتیں انسان کے اندر رکھی گئی ہیں اُن کی تربیت و تکمیل جیسی اُن حالات میں ہو سکتی ہے جن کے ماتحت وہ رکھا گیا ہے ایسی اور ہر ایک جگہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو اختلاف مختلف انسانوں کے حالات میں دیکھا جاتا ہے اُس کے لیئے کسی وجہ کے دریافت کرنے اور اُس کی کوئی تشریح پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نجات کی اغراض کے لیئے اس اختلاف اور اس فرق کی کوئی حقیقت نہیں اور اس دنیا کا رنج و راحت زندگی کی علّت غائی نہیں ہیں بلکہ اس علّت غائی کے حاصل کرنیکے ذریعے ہیں۔ تعجب ہے کہ مسئلہ تناسخ کے حامی اگرچہ نجات کو زندگی کی اصل علّت غائی قرار دیتے ہیں پھر بھی اس دنیا کے آرام اور مصائب کو

اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا یہی رنج وراحت انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہماری ساری کوششیں اسی راہ میں خرچ ہو جائیں کہ اس دنیا کا آرام حاصل ہو اور اُنکے نزدیک اعمالِ نیک کا ثمرہ دنیا کا عیش و آرام ہی ہے۔ حالانکہ غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنا انسان کی زندگی کا مدّعا ہے اس لیئے اس دنیا کے مصائب اور خوشحالی صرف اس مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اور اُنکو خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت تامّہ اور علم کامل کے ساتھ نہایت ہی مناسب طریق سے نوع انسان میں تقسیم کیا ہے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس مسئلہ کے تجویز کرنے میں آریہ صاحبان کے بزرگوں نے کیا فایدہ دیکھا انسانی طریقِ خیال میں اس کے لیئے قطعاً کوئی گنجایش نہیں۔ ایک مثال کے ساتھ میں اس امر کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس دنیا کو ہم ایک مکتب سے مشابہت دے سکتے ہیں۔ اس مکتب کا معلم اپنے چند شاگردوں کو گنتی اور ہندسوں کے لکھنے کا قاعدہ سکھانا چاہتا ہے۔ اور اس غرض کے لیئے وہ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چند چیزیں دیتا ہے۔ ایک کو وہ چند روپے دیتا ہے۔ دوسرے کو لعل۔ تیسرے کو کاغذ کے ٹکڑے۔ چوتھے کو لکڑی کے ٹکڑے۔ اسطرح ہر ایک لڑکے کو مختلف چیزیں دیتا ہے۔ ہم مکتب کے ایک کونے میں ایک لڑکے کو دیکھتے ہیں کہ سسکیاں لیکر رو رہا ہے۔ اُستاد اُس سے پوچھتا ہے کہ تم کیوں روتے ہو وہ غمزدہ ہو کر کہتا ہے کہ آپنے فلاں لڑکے کو تو لعل دیئے ہیں اور مجھے لکڑی کے ٹکڑے پکڑائے ہیں۔ اُستاد اُس نافہم بچّے کو سمجھاتا ہے کہ سبق کی اغراض کے لیئے لعل اور لکڑی کے ٹکڑے ہر دو مساوی ہیں۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ جس لڑکے کے ہاتھ میں لعل ہیں وہ ان لعلوں کی وجہ سے اُس دوسرے لڑکے کی نسبت جس کے ہاتھ میں لکڑی یا کاغذ کے ٹکڑے ہیں سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہو گیا بلکہ ممکن ہے

کہ جس لڑکے کے ہاتھ میں کاغذ یا لکڑی کے ٹکڑے ہیں وہ لعلوں والے لڑکے سے زیادہ ذہین ہونے کی وجہ سے سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔ غرض لڑکے کو جب بتلایا گیا۔ کہ اِن چیزوں کی وجہ سے جو ہر ایک لڑکے کے ہاتھ میں ہیں کسی ایک لڑکے کو دوسروں پر فضیلت حاصل نہیں ہو جاتی اور یہ کہ ان چیزوں میں کوئی ایسی ذاتی خوبی نہیں جو سبق کی اغراض کے لیئے زیادہ مفید ہو۔ تو لڑکے کو تسلّی ہو گئی اور سسکیاں رُک گئیں۔ سبق کے سیکھنے میں جو چیزیں مددگار رہیں وہ اُستاد کا طرزِ تعلیم اور بچوں کی ذہانت ہے۔ ان چیزوں کی ذات میں کوئی ایسا اثر نہیں جو سبق کے جلدی ذہن نشین کرانے کے لیئے دوسری چیزوں کی نسبت زیادہ مفید ہو۔ اُس بچے کو اُستاد نے یہ بھی سمجھایا کہ یہ سب چیزیں ہمیشہ کے لیئے بچوں کو نہیں دی گئیں بلکہ سبق کے ختم ہونے پر یہ سب چیزیں ایک ایک کرکے واپس لے لی جاویں گی اور کسی لڑکے کے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس سے ان چیزوں کی قدر اُن کی ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے بالکل نابود ہو جاتی ہے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ سبق کو آسانی سے ذہن نشین کرانے کا ایک ذریعہ ہیں اور اس لحاظ سے سب کی قیمت بالکل یکساں ہے کسی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت نہیں۔ مختلف حالات جنہوں نے انسانی زندگی کو گھیرا ہوا ہی وہ بھی اُن مختلف ٹکڑوں کی طرح ہیں جو اُستاد نے اپنے شاگردوں کے ہاتھ میں دیئے۔ کیونکہ یہ بھی انسانی زندگی کے اصل مقصد یعنی نجات کے حصول کا ذرائع ہیں اور جب یہ مقصد حاصل ہو جائے گا تو اُس وقت انسان ان حالات میں سے نکل جائیگا۔ جیسا مکتب میں اُستاد کی تشریح۔ طریقہ تعلیم اور رہنمائی لڑکوں کے لیئے سبق کے سمجھنے اور سیکھنے میں مددگار ہوتی ہے ایسا ہی نجات کا راستہ بھی الٰہی ہدایت ہی دکھاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف قسم کے حالات اور مدارج جو ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں یہ سب نجات کے اغراض کے لیئے یکسان درجہ رکھتے ہیں ؛

پس یہ کہنا بیہودگی ہے کہ اس دنیا کا آرام اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک وبداعمال کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں نجات کے حصول کے لیئے یکساں درجہ رکھتی ہیں۔ اور اگر یہ مان لیا جاے کہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک وبد کرموں کا پھل ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نیکی اور بدی گویا دو توام بھائی ہیں۔ جن سے ایک ہی نتیجہ مترتب ہوتا ہے یعنی دونوں نجات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں کیونکہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ (جن کو گذشتہ جونوں کے نیک وبداعمال کا پھل کہا جاتا ہے) نجات کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں۔ کیا یہ خیال بیہودہ نہیں کہ نیکی اور بدی دونوں یکساں نجات کے حصول کا ذریعہ ہوں :

تناسخ کے ذریعہ اس مسئلہ کے موجدوں نے ایک ہی وقت میں دو باتوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس کے ذریعہ صرف اس امر کو صاف کرنے کی ہی کوشش نہیں کی کہ انسانوں کی حالتوں اور حیثیتوں میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے بلکہ انہوں نے اس مسئلہ کے ذریعہ ایک ایسے سوال کے حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو ہر ایک انسان کے دل میں اُٹھتا ہے یعنی یہ کہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ انہوں نے بظاہر ان ہر دو امور کو بڑی سادگی کے ساتھ حل کردیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ سادہ طریق تسلّی بخش ثابت نہیں ہوا مسئلہ تناسخ میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں روح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی ماننا پڑتا ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے رُو سے نجات بھی ایک میعادی نجات قرار دی گئی ہے کیونکہ اس کے رُو سے ضروری ہے کہ روحوں کو ایک زمانہ کی گذرنے کے بعد پھر مکتی خانہ سے نکالا جائے تا دنیا کا سلسلہ کل روحوں کے مکتی خانہ میں داخل ہو جانے سے ختم نہ ہو جاوے۔ مسئلہ تناسخ کے ان پہلوؤں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرمہ چشم آریہ۔ چشمہ معرفت اور اپنی دیگر تحریروں میں قابل دید بحث کی ہے۔ اس لیئے ان کے متعلق میں زیادہ بحث نہیں کرتا۔

یہاں پر صرف اتنا ظاہر کر دینا کافی ہے اگر ارواح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی مانا جائے تو اس سے خدائے تعالیٰ کی کامل قدرتوں اور صفات کا انکار لازم آتا ہے نہ تو وہ خالق کہلا سکتا ہے اور نہ علیم و خبیر اور اُس کی خدائی کا سارا دارو مدار مادہ اور روح پر ٹھہرتا ہے اگر مادہ اور ارواح کا وجود نہ ہوتا تو خدائے تعالیٰ نعوذ باللہ ایک بیکار ہستی ہوتا کیونکہ تناسخ کے ماننے والے خدائے تعالیٰ کو مادہ اور ارواح پیدا کرنے سے عاجز قرار کر دیتے ہیں۔ اُن کے عقیدہ کے مطابق اُن کا پرمیشر ایک روح بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مادہ کا ایک ذرہ پیدا کر سکتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر بالفرض ارواح اور مادہ کا وجود نہ ہوتا تو پھر اُن کا پرمیشور کیا کرتا اور اگر بالفرض اُن کا پرمیشور ہی نہ ہوتا تو پھر مادہ اور ارواح کے وجود سے کیا فایدہ ہوتا۔ ایک محتاج خدا خدا نہیں کہلا سکتا۔ اور اگر وہ ارواح اور مادہ کا خالق نہیں تو اُس کو چیزوں کے نہاں در نہاں خواص اور قویٰ کا پورا علم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جس چیز کا پورا علم ہو تو ضرور ہے کہ وہ بنائی بھی جا سکے۔ پس اگر پرمیشور کو خالق ارواح اور خالق مادہ نہ مانا جائے تو اُس کے علم کو ناقص ماننا پڑتا ہے اور ناقص العلم خدا خدا کہلانے کے لائق نہیں ۔

میعادی نجات کے ماننے سے ایک اور بھاری دقّت پیش آتی ہے۔ نجات خدائے تعالیٰ کے قرب کا نام ہے جو نہایت ہی اعلیٰ راحت کی حالت ہے۔ اور یہ حالت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان کے بُرے میلان اور گناہ کی خواہشیں کُلی طور پر مر نہ جاویں اور انسان کے اخلاق اور قوّتیں اپنی تکمیل کی آخری حد تک پُہنچ نہ جاویں اور تنزل کا امکان دُور نہ ہو جاوے۔ جب انسان نجات کو حاصل کرتا ہے تو وہ گناہ اور لالچ اور بُری خواہشات سے پورے طور پر محفوظ ہو جاتا ہے اور شیطان اُس پر تسلط نہیں کر سکتا۔ جب گناہ کے کرنے یا تنزل کی حالت کی طرف رجوع کرنے کا امکان دُور ہو جاتا ہے جب خدائے تعالیٰ کا فضل انسان کی دستگیری کرتا ہے تو وہ ایک ہی قدم میں تمام منزلوں کو طے کر کے اُس وسیع

میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کا چاند اور سورج خود خدائے تعالیٰ ہوتا ہے اور جہاں سے کہ ادنیٰ حالت کی طرف لوٹنا ناممکن ہے۔ اس لیئے ممکن نہیں کہ جو ایک دفعہ نجات حاصل کر چکے وہ پھر دنیا میں آکر جونوں کے غیر متناہی سلسلہ میں داخل ہو ÷

تناسخ کے حامی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کے افعال محدود ہیں اس لیئے اُن کا اجر غیر محدود نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان ابدی اور غیر منقطع نجات حاصل نہیں کر سکتا مگر ان کا یہ قول بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جس کی جڑھ جہالت ہے ہمارا یہ تجربہ ہے کہ چند مرتبہ کے اعادہ سے ہمارے بعض صفات ایسے محکم ہو جاتے ہیں کہ انسان کے لیئے اُن کا اُکھیڑنا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ بعض بیماریوں کا اگر تھوڑے عرصہ کے لیئے علاج نہ کیا جاوے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیئے لاعلاج ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر انسان نیکی پر ایک عرصہ تک استقامت رکھے تو وہ اُس کا ایک دائمی ورثہ ہو جائے ایسا ہی اگر انسان ایک بدی پر ایک عرصہ تک قائم رہے تو اُس کے دل کے دروازے ایسے محکم طور پر بند ہو جاتے ہیں کہ کوئی نیک اثر اُس کے اندر راہ نہیں پا سکتا ÷

انسان کی ترقی کی آخری منزل خدائے تعالیٰ کے ساتھ ملنا ہے۔ اور ہر ایک انسان آخر اس منزل پر پہنچنے والا ہے۔ جن حالات میں وہ اس دنیا میں رکھا گیا ہے وہ اس لیئے ہیں کہ وہ اُن کے ذریعہ اپنے قویٰ کی تکمیل کرے اور اپنی کمزوریوں کو دُور کرے۔ انسان کی مختلف قابلیتوں کے مطابق یہ حالات بھی مختلف ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اپنے کامل علم اور اپنی کامل حکمت سے ہم میں سے ہر ایک کو ایسے حالات میں رکھتا ہے جو اُس کے لیئے نہایت ہی موزون ہوتے ہیں۔ تاکہ ہماری مخفی طاقتیں پورے طور پر ظاہر ہوں اور اُن کو اپنی تکمیل کے لیئے پورا وسیع میدان حاصل ہو۔ اگر اس اختلاف کو دیکھکر کوئی خدائے تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے تو اُس کی وجہ اُس کی اپنی جہالت اور حقیقت کو سمجھنے کی ناقابلیت ہے ÷

علاوہ ازیں۔ عارضی نجات انسانی فطرت کے مطابق بھی نہیں ہے۔ ہر ایک انسان فطرتی طور پر اپنے محبوب سے جُدا ہونے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ انسان کا کام ہے کہ وہ ہر ایک چیز کی نسبت خدائے تعالیٰ سے زیادہ محبت کرے اور جب وہ ترقی کی آخری سیڑھی پر پُہنچیگا تو اُس میں سوائے خدائے تعالیٰ کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اُس کی آنکھوں کو خدائے تعالیٰ کا دلربا چہرہ دیکھنے کے سوا آرام نہیں آئیگا اور اُس کے دل کا چین اسی میں ہوگا کہ ہر وقت خدائے تعالیٰ سے قریب اور ہم کلام رہے۔ غرض وہ خدا کا ہوگا اور خدائے تعالیٰ اُس کا ہو جائے گا۔ تمام زمینی محبتیں اُس کی نظر میں ہیچ ہو جائیں گی اور تمام دنیا کی دلکشیاں اُس کے نزدیک بے حقیقت ہو جائیں گی۔ اس حالت میں جب الٰہی محبت انسان میں اپنے آخری نقطہ تک پُہنچ چکے گی اور وہ اعلیٰ سے اعلیٰ راحت کو حاصل کر رہا ہوگا ایسے وقت میں اُس کو ایسے بہشت سے نکالکر دنیا میں دوبارہ بھیجنا اور پھر جسمانی جونوں میں اُس کو قید کرنا اگر ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا کے محبوب بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے سچے محبوں سے بیوفائی کا برتاؤ کریں پھر خدائے تعالیٰ کسطرح اپنے سچے پرستاروں اور عاشقوں کو اپنے حضور سے بے رحمی کے ساتھ دھکے دیکر باہر نکال سکتا ہے۔ وہ کسطرح ایسا بخیل ہو سکتا ہے کہ یک لخت اپنے سارے انعامات اور برکات اُن لوگوں سے ہٹا لے جو دل و جان سے اُس پر فدا ہیں اور جو کہ ایک صید نیم بسمل کی طرح اُس کے آستانہ پر گرے پڑے ہیں۔ محبوب اور محب میں ایک قسم کی یکرنگی ہونی چاہیئے۔ اگر محبوب کے انعامات غیر منقطع ہیں اور اگر وہ اپنے انعامات اپنے محبوں پر ہمیشہ جاری رکھنے والی ہستی ہے تو ضروری ہے کہ اُس کا محب بھی اُس کے اُن انعامات کا ہمیشہ مورد بنا رہے اور کبھی خدائے تعالیٰ کی غیر منقطع نعمتوں سے محروم نہ ہو ؛

ایک پُرانی کتاب میں لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ ان الفاظ میں ایک بڑی سچائی مخفی ہے۔ خدا میں جو دینے والا ہے اور

بندہ میں جو لینے والا ہے اک طرح کا تطابق ہونا چاہیئے۔ اس لیئے نجات یافتہ انسان ہمیشہ خدائے تعالیٰ کے انعامات کو لینے کے لیئے تیار اور مستعد رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی اُس سے وہی سلوک کرتا ہے جس کی انسانی فطرت مقتضی ہوتی ہے اور اس لیئے وہ اس پر اپنی رحمت اور فضل کی بارش کو متواتر اور ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اپنے ایک محب کو ایک دفعہ اپنی رحمت اور انعامات کے بہشت میں داخل کرکے پھر اُس کو اُس حالت راحت سے نکالکر جونوں کے غیر متناہی چکر میں ڈالدیتا ہے خدائے تعالیٰ کی بے ادبی ہے کوئی عقلمند انسان خدائے تعالیٰ کی طرف ایسی بیوفائی منسوب نہیں کر سکتا؛

مسئلۂ تناسخ کا بطلان ظاہر کرنے کے بعد اب میں اس امر کیطرف رجوع کرتا ہوں کہ اسلام نے اس کے بجائے کیا تعلیم پیش کی ہے۔ انسانوں کے حالات اور مدارج میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اُس کا خدائے تعالیٰ نے چند ہی الفاظ میں قطعی فیصلہ فرما دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (سورہ انعام) اور اُسی نے تم کو زمین میں دوسروں کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر مدارج میں فضیلت دی تاکہ جو کچھ اُس نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو آزمائے (اور اُس کے مطابق تم کو انعام دے)۔ اس آیہ کریمہ کے رُو سے انسانوں کے حالات اور درجات کا اختلاف اُن کی ترقی کے لیئے مددگار ہے۔ ایک لمحہ کے لیئے ایک ایسی دنیا کا تصور باندھو جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو اور پھر دیکھو کہ وہ دنیا کیسی ہوگی۔ اُسوقت دنیا پر ایک مُردنی چھائی ہوئی ہوگی تمام انسانی ترقی کیا اخلاقی اور کیا روحانی مفقود ہوگی۔ ترقی کرنے کا کوئی محرک موجود نہ ہوگا۔ انسانوں کی تمام قوتیں ٹھنڈی پڑی ہوئی ہونگی۔ تمام طاقتیں سرد ہوچکی ہوں گی۔ اور کسی قسم کی چستی و چالاکی پائی نہیں جائیگی۔ تھوڑے عرصہ میں انسان اپنا تمام عقلی مادہ کھو بیٹھے گا اور پورا کوڑ مغز ہو جائے گا جو تمام

قابلیتوں سے خالی ہو گا۔ یہ اختلاف انسانوں کے لیئے ایک برکت کا سرچشمہ ہے۔ یہ ترقی کے لیئے ایک محرک ہے اور آگے بڑھنے کے لیئے ایک ترغیب اپنے اندر رکھتا ہے۔ جب ہم اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ہم سے بہتر حالت میں ہیں تو ہم میں رشک کی ایک روح جوش مارتی ہے اور اُن کے برابر ہونے کے لیئے یا اُن سے سبقت لے جانے کے لیئے ہماری ساری طاقتیں کام میں لگ جاتی ہیں۔ اگر اختلاف نہ ہوتا تو دنیا میں نہ نیکی ہوتی نہ بدی۔ اگر دنیا بُرے لالچوں سے پاک ہوتی تو ہمیں اپنے بُرے جذبات کو دبانے اور فرو کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور اس طرح ہم کمال حاصل کرنے اور روحانی طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتے اور ہمیں اخلاق فاضلہ حاصل کرنے کا موقعہ میسر نہ آتا۔ جب تک ہمارے پوشیدہ قویٰ اور ہماری مخفی طاقتیں بیرونی محرکوں کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں اور پھر مناسب ذریعہ سے اُن کی اصلاح نہیں ہوتی تب تک ضروری ہے کہ ہم ایک ناقص حالت میں رہیں جب تک ہماری پوشیدہ بُری خواہشوں کی بیخکنی نہیں ہو لیتی تب تک ہماری زندگی معرض خطر میں ہی رہتی ہے اور بُری خواہشوں کی بیخکنی صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ حالات میں اختلاف ہو۔ دنیا کی خوبصورتی اور زندگی کی دلکشی اسی اختلاف میں پائی جاتی ہے جس کو ہم ہر طرف ہر جنس اور ہر نوع میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسانی نسل کا ہر ایک فرد خواہ وہ کیسی ہی گری ہوئی حالت میں کیوں نہ ہو اپنی ذات کے ساتھ بعض فرائض وابستہ رکھتا ہے اور اگر وہ اُن فرائض کو ایمانداری کے ساتھ ادا کرے اور جو قوتیں اور طاقتیں خدائے تعالیٰ نے اُس کو دے رکھی ہیں اُن سے جائز طور پر اپنے اپنے محل پر کام لے اور طاقتوں اور دوسری خداداد چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور نوع انسان کی ہمدردی میں خرچ کرے تو وہ کامل انسان ہو سکتا ہے۔ دنیاوی طور پر اعلیٰ یا ادنیٰ حیثیت کا رکھنا براہ راست اُس کی نجات پر کوئی اثر نہیں ڈالتا ؂

غرض یہ بالکل ایک صاف اور کھلی بات ہے اور تناسخ کی کہانی محض ایک

خیالی ڈھکوسلہ ہے جو بالکل فضول اور بے بنیاد ہے یہ صرف چند توہمات کا مجموعہ ہے:
مسئلہ نجات کی طرف رجوع کرکے پھر میں کہتا ہوں کہ عارضی یا میعادی نجات صرف اُنہی لوگوں کا حصہ ہے جو تناسخ کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔
ایک شخص جونوں کے طول طویل دورہ کو پورا کرتا ہے اور کروڑوں سال اس دُکھ میں گذار کر ایک ایسی جگہ حاصل کرتا ہے جہاں کہ اُس کو اواگون یعنی تناسخ کے چکر سے نجات ملتی ہے اور جسے وہ خواہ کچھ ہی ہو چھوڑنا پسند نہیں کرتا لیکن باایں ہمہ کچھ عرصہ تک اُس جگہ میں جسے ہندو سُرگ کہتے ہیں رہنے کے بعد پرمیشور کا پروانہ اُس کے نام پہنچتا ہے کہ اس جگہ میں سے اب تمہیں نکلنا پڑے گا اور پھر اُسی آواگون کے منحوس چکر میں تمہیں داخل ہونا پڑے گا جس سے تم کو پہلے نجات دی گئی تھی۔ یہ ایسی بات ہے جس کو انسانی فطرت نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ کیسا سُرگ ہے جس میں ہر وقت انسان کو یہی دھڑکا لگا رہے کہ معلوم نہیں کس گھڑی میں مجھے یہاں سے نکالا جائے گا اور پھر تناسخ کے دوزخ میں ڈالا جائے گا جس سے کروڑوں سال میں بھی چھٹکارا حاصل کرنا محال ہے اور پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیوں پرمیشور روحوں کو مُکتی خانہ سے نکالے گا تو ہنسی آجاتی ہے۔ بیچاری روحوں کو بلاقصور مُکتی خانہ سے نکالکر دوبارہ آواگون کے چکر میں لگانے کی ضرورت پرمیشور کو یہ پیش آجاتی ہے کہ پرمیشور میں یہ طاقت نہیں کہ ایک آدھی روح کو بھی پیدا کر سکے اور اگر ساری روحیں نجات پاکر سُرگ میں داخل ہوتی جائیں تو روحوں کا ذخیرہ ختم ہو جائے اور پرمیشور دنیا کے کاروبار کو چلانے سے عاجز رہ جائے۔ اس لیئے پرمیشور نے یہ قاعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ ہمیشہ تک کسی روح کو سُرگ میں نہیں رہنے دیتا۔ تا دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔
ناظرین خیال کریں یہ کیسا خدا ہے۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ پرمیشور (نعوذ باللہ) نہ صرف محتاج ہے بلکہ خود غرض بھی ہے کیونکہ اپنے کارخانہ خدائی کو قائم رکھنے کے لیئے بیچاری روحوں کو اُس آرام سے محروم کر دیتا ہے جو اُنہوں نے سالہا سال

دُکھ اُٹھانے کے بعد حاصل کیا تھا۔ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسی خود غرضی اور ایسا عجز منسوب کرنا سخت کفر ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو انسان کی فطرت کے مطابق حل کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ یعنی اے اطمینان یافتہ نفس۔ تو اپنے رب کی طرف واپس جا۔ اس حال میں کہ تو اپنے رب پر راضی ہے اور تیرا رب تجھ پر راضی ہے اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو۔ خدا سے ملنا انسانی روح کی تڑپ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی۔ یعنی انسانی روح پکار کر یہ کہتی ہے کہ اے خدا تو ہی میرا رب اور میرا سہارا ہے۔ کامل تسکین اور کامل اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسان خدائے تعالیٰ کی عبادت میں اپنے تئیں فنا نہ کر دے۔ خدائے تعالیٰ کی محبت انسان کی روح میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ایک سلیم روح خدائے تعالیٰ کی گود کے سوا اور کسی جگہ آرام نہیں پاتی۔ اگر کسی روح میں یہ تڑپ نہ ہو (خدائے تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) تو ایسی روح ایک بیمار روح ہے۔ جیسا بعض اوقات ایک بیمار جسم اس خوراک سے نفرت کرتا ہے جو اُس کے قیام کے لیئے لابدّی ہے ایسا ہی ایک مریض روح کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اپنے اصل مطلوب سے دُور جا پڑتی ہے اور جب تک مناسب علاج کے ذریعہ اُس کو اصلی حالت پر نہ لایا جاوے تو وہ بگڑی ہوئی فطرت کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ انسانی روح اپنی صحت کی حالت میں الٰہی محبت کی تخت گاہ ہے دنیا کے کُل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے۔ تمام بڑے بڑے مذاہب خدائے تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں اور نجات کو انسانی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں۔ چونکہ خدائے تعالیٰ سے ملنا انسانی زندگی کی اصل غرض ہے اس لیئے ضروری ہے کہ انسان دنیا کی میل سے بالکل پاک اور صاف ہو جاوے اور اُس کی

طبیعت کا وہ پہلو جو بُرائی کی طرف کھینچتا ہے پورے طور پر دبا دیا جاوے اور مغلوب کیا جاوے کیونکہ خدائے تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ چونکہ مخلوق کو خالق کے ساتھ جوڑنے والی چیز محبت ہے اس لیئے انسان اپنی ترقی کی منزل میں ہر وقت اپنے تئیں الٰہی انعامات کے لیئے زیادہ اور زیادہ لایق بنا رہا ہے۔ ہر ایک قدم پر خدائے تعالیٰ انسان کی محبت کا جواب دیتا ہے اور اُس کی فطرت کی خواہش کے پورا ہونے کے لیئے سامان مہیّا کرتا ہے۔ انسانی محبت کا آخری نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب کو دیکھ لے اور بغیر کسی واسطہ یا درمیانی چیز کے براہ راست اُس کا تعلق اپنے محبوب سے ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رحم اور کرم کی وجہ سے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لیئے سامان پیدا کر دیا ہے ایک دن آئے گا کہ انسان اپنے خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور براہ راست اُس سے ہمکلام ہوگا۔ مگر تناسخ کا مسئلہ انسانی روح کے اس پہلو کے لیئے کوئی سامان پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آیتہ مذکورہ بالا میں انسان کی اسی تڑپ کی طرف اشارہ ہے:

جب آدمی یہاں تک خدائے تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے تئیں خدائے تعالیٰ کی رضا کے حوالے کر دیتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ جو کچھ کرے اُس پر خوش ہوتا ہے اور جب انسان اس زندگی میں اس دنیا کے لحاظ سے اپنے اوپر ایک موت وارد کر لیتا ہے اور اپنی تمام اُمیدوں اور محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرتا ہے۔ اُس وقت اُس کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی محبت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ انسان سے راضی ہو جاتا ہے اور انسان اپنے خدا سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس منزل پر انسان دنیا میں ہی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے قیامت کے دن انسان اپنے خالق کو روبرو ہو کر دیکھے گا اور اُس وقت اُس کی خوشی کا کوئی انتہا نہ ہوگا اُس محبوب حقیقی کے دیکھنے سے سچے محبوں کو کیسی خوشی ہوگی اس کا اندازہ کسی قدر

وہ لوگ بھی لگا سکتے ہیں جن کو اس دنیا کی فانی محبت کا بھی تجربہ ہو چکا ہے ؛

ایک اور غلطی جس میں تناسخ کے حامی گرفتار ہیں یہ ہے کہ وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ جب ایک دفعہ انسان اس دنیا میں خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اپنے تئیں کامل کرنے کے ذرائع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکا تو پھر بار بار اُس کو اُنہی حالات میں لوٹانا جہاں کہ وہ پہلے ناکام رہ چکا ہے سخت غلطی ہے۔ اس کے بعد وہی چیز اُس کی اصلاح کر سکتی ہے جو اس دنیا سے باہر ہو۔ جو سامان اور ذرائع اس میں میسّر آ سکتے ہیں وہ اُس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور پھر اسکو پھیر پھیر کر انہی حالات کے ماتحت رکھنا عقلمندی کا کام نہیں ہے جب تناسخ کے مسئلہ کو اس پہلو سے دیکھا جاوے تو اُس کا غلط ہو جانا کُھل جاتا ہے جب دنیا میں اصلاح کے ذرائع بھی وہی ہیں اور انسان کی فطرت اور طبیعت بھی وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دوبارہ سہ بارہ ایک ہی تجربہ کو دُہرانے سے کوئی مختلف نتائج پیدا ہوں۔ روح انسانی اس دنیا میں خواہ کسی لباس میں ظاہر ہو اُس کے لئے شیطان کے قبضہ سے نجات پانا اور گناہ کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنا بغیر معرفت الٰہی کے مشکل ہے۔ تمام اعمال صالحہ کی جڑھ تقویٰ ہی اور تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین نہ ہو۔ اور اُس کے اسماء پر پورا پورا ایمان نہ ہو۔ جُون کے بدلنے سے خدائے تعالیٰ کی معرفت کے ذرائع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اس کے بغیر کوئی اصلاح اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے ؛

میرے خیال میں اگر یہاں سزا کی حکمت پر کسی قدر غور کیا جاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ سزا خواہ کسی رنگ میں دی جاوے اُس میں اصلاح کا پہلو غالب رہنا چاہیئے۔ انسانوں کو سزا دینے سے خدائے تعالیٰ کا منشاء اُن کی اصلاح ہے اور اس دنیا میں سزا مصایب کے رنگ میں نازل ہوتی ہے۔ مگر کُل مصایب سزا کے لئے نہیں ہوتے۔ بعض مصایب سزائی حصہ سے ایسے ہی پاک ہوتے ہیں جیسا کہ خود راحت۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥ (بقرہ) یعنی جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے بندے ہمیشہ اپنی نظر خدائے تعالیٰ پر ہی رکھتے ہیں جب کبھی کوئی عزیز یا قریبی موت کا شکار ہوتا ہے یا اُن کے مال کا نقصان ہوتا ہے یا اُن کو کوئی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ بول اُٹھتے ہیں کہ ہم دراصل خدائے تعالیٰ کے ہیں اور اُسی کی طرف ہم نے جانا ہے۔ یہ چیزیں بھی اب ہماری نہیں رہیں اور نہ ہم اُن کے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصائب آزمائش کا کام دیتے ہیں۔ اور خدا کے بندے ان امتحانوں میں سے سلامت گذر کر خدائے تعالیٰ سے اور بھی گہرا تعلق حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی نسبت فرماتا ہے:-

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ٥ یعنی ان لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہی لوگ راہ پانیوالے ہیں۔ اُن کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور محکم ہو جاتا ہے۔ کمال کے لیئے امتحان ایک لابدی چیز ہے ہر ایک امتحان سے سلامت گذرنے کے بعد انسان کو ایک رفع حاصل ہوتا ہے۔ اُس کا قدم زیادہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں آگے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے برگزیدوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ کی رحمتوں کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔

خدائے تعالیٰ کے انبیاء پر بڑی بڑی تکالیف وارد ہوئیں اور اُن کو بڑے بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دشمنوں کی طرف سے اُن کو سخت سے سخت ایذا دی گئی مگر اُس کا نتیجہ سراسر خیر و برکت ہی ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سال تک مکّہ میں کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیف نہایت صبر اور بردباری اور بہادری کے ساتھ برداشت کی اور اُس کے بعد مدینہ میں بھی دشمنوں نے پیچھا نہ چھوڑا بلکہ مکّہ میں تو صرف قریش ہی دشمن تھے مدینہ میں قریش کے علاوہ کئی اور قومیں عداوت

اور ایذادہی پر آمادہ ہوگئیں آپ کو سب سے زیادہ تکلیف دی گئی اس لیئے کہ آپ سب سے بڑے نبی تھے۔ ہر ایک راستباز آدمی کو اپنے روحانی منازل کے طے کرنے کے لیئے کچھ نہ کچھ تکلیف سہنی پڑتی ہے ؀

اسکے علاوہ مصائب بطور سزا کے بھی ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ عام انسانوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ یعنی جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے وقوفی سے ایک بڑی مقدار میں سم الفار کھالے تو اُس کا نتیجہ موت ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ہر ایک فعل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جو شخص بُرے کام کرے گا وہ بُرا پھل پائے گا۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا علم دیدیا ہے چنانچہ فرماتا ہے فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا یعنی خدائے تعالیٰ نے ہر ایک نفس کو بُرائی کی باتوں اور نیکی کے کاموں کا علم دے دیا ہے اور پھر جب دنیا میں بدی پھیل جاتی ہے تو خدائے تعالیٰ کھلے کھلے انذار کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست کی طرف بلائیں۔ اور اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے وقتاً فوقتاً الہامی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں تاکہ بعد کی نسلیں اُن کے ذریعہ راہ راست کو اختیار کریں اور سب سے آخر کامل کتاب قرآن شریف کو نازل فرمایا جو کُل سچائیوں کا جامع ہے اب بھی اگر انسان خدائے تعالیٰ کے حدود کو توڑے تو اُس کا خون اُس کے اپنے سر پر ہے۔ مگر یہ سزا بھی جو انسان کو اُس کی بدکاریوں کی وجہ سے آتی ہے یہ بھی اُس کے لیئے اچھا نتیجہ رکھتی ہے۔ یہ بات انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے کہ جہاں سے اُس کو دُکھ پہنچتا ہے وہ طبعاً اُس جگہ سے پرہیز کرتا ہے۔ اس طرح یہ سزائیں انسانوں کے متنبہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ تمام تکالیف انسان کے اپنے فائدہ کے لیئے ہیں سزا اکثر دو رنگ کا فائدہ دیتی ہے۔ ایک تو وہ گنہگار کے لیئے بطور علاج کے کام کرتی ہے اور اُس کو پاک وصاف کرتی ہے۔ دوسرے وہ

اور لوگوں کے لیے عبرت کا کام دیتی ہے تاکہ لوگ گناہوں کے بد نتائج کو دیکھ کر اُن کے ارتکاب سے بچیں اور وہ سزا یافتہ شخص خود بھی آئندہ کے لیے گناہوں سے پرہیز کرے جو سزا خدائے تعالیٰ نے آخرت میں رکھی ہے اُس کی غرض بھی انسانوں کو پاک وصاف کرنا ہی ہے۔ اسی لیے دوزخ کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ یعنی بدکار کے لیے دوزخ بطور ماں کے ہے۔ دوزخ بھی انسان کے فائدہ کیلیے ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ انسان اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور جو نقص اُس میں باقی ہوتے ہیں اُن کی تلافی ہو جاتی ہے ؛

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مسیحی معجزات

مثل مشہور ہے۔ کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ یہ مثل مسیحی صاحبان پر خصوصیت سے صادق آتی ہے۔ چونکہ وہ سچے راستہ سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ اور ان کا تعلق خدا سے ٹوٹ گیا ہے۔ اور وہ اُن نشانات کے دکھانے سے عاجز ہو گئے ہیں۔ جو کہ صرف اُنہیں لوگوں کا حصہ ہے۔ جنہوں نے کہ راہ حق کو نہیں چھوڑا۔ مگر ساتھ ہی چونکہ وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ راہ حق پر ہیں۔ اور نیکی کا راستہ وہی ہے۔ جس پر وہ قدم مار رہے ہیں۔ اسواسطے وہ ہمیشہ ایسی باتوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ جن کو کہ وہ معجزہ کہہ سکیں۔ حال میں ایپی فنی جو کہ مسیحیوں کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ اور جو آکسفورڈ مشن کے زیر اہتمام کلکتہ سے نکلتا ہے اُس میں ایک بہت بڑے موجودہ زمانے کے مسیحی معجزہ

کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس اخبار کا ایک مسیحی نامہ نگار بڑے فخر سے ان حقیقی معجزات (جیساکہ وہ اُن کو کہتا ہے) کا ذکر کرتا ہے۔ جو کہ آجکل مقام لورڈ علاقہ فرانس میں ظاہر ہو رہے ہیں اور جن کا مدعا یہ ہے۔ کہ عیسائیت کی برکت سے بیمار تندرست ہو رہے ہیں۔ اور ایڈیٹر بھی اس نامہ نگار کے ساتھ اتفاق کرتا ہوا ایک بہت بڑا حاشیہ چڑھاتا ہے۔ جس کے دوران میں وہ کہتا ہے۔ "کہ بہت سے بیمار جو کہ بروئے طب لاعلاج ثابت ہو چکے ہوں۔ عام طور پر تندرست ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں اس قسم کے معجزات نہ صرف کسی خاص جگہ پر وقوع میں آ رہے ہیں۔ بلکہ کلیسیا کے مختلف حصوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اور ہمارا یقین ہے۔ کہ یہ ان معاہدات کی تکمیل ہے۔ جو کہ مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کیئے ہیں"

ان معجزات کی اصل حقیقت دکھانے کے لیئے میرے پاس اس سے اچھا مصلح نہیں ہے۔ کہ لنڈن کواٹرلی ریویو (جس کا ایڈیٹر بھی اپی فنی کے ایڈیٹر کی طرح ایک معزز پادری بنام جان ٹلفورڈ ڈ بی۔ اے ہے) کے اپریل کے پرچہ سے ایک مضمون نقل کروں جو کہ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر ایم۔ ڈی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر اُن "حقیقی معجزات" کی بابت جو کہ لورڈ وغیرہ جیسے مقامات پر ظاہر ہوئے ہیں اپنی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کرتا ہی "موجودہ زمانہ میں اعتقاد کی مدد سے بیماروں کے تندرست کرنے کا طریقہ بہت سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ خاص کر امریکہ میں۔ اگرچہ اس کے طریقے یکساں نہیں ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں اس قسم کے علاجوں کی نہایت ہی مشہور مثال لورڈ کے معبدوں میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کہ ہر سال بہت سی بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ تندرست ہونیوالونکی تعداد دوسروں کے مقابل میں بہت ہی قلیل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ بعض بیمار واقعی صحت یاب ہو جاتے ہیں"۔ کیا پھر ہم کو یہ کہنا چاہیئے۔ کہ یہ مسیحی معجزات ہیں۔ اور اُن معاہدات کی تکمیل

ہیں۔ جو کہ یسوع مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس مضمون کے لکھنے والے نے ایسے خیالات کو جڑھ سے اکھاڑ دیا ہے۔ جبکہ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اس قسم کا علاج کوئی نئی بات نہیں ...... ہے بلکہ اس قسم کے معالجات زمانہ قدیم سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کبھی کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ ہم اِن کی کامیابی کا ذکر ایسے وقت سے پاتے ہیں جس وقت سے کہ تواریخ کے لکھنے کا شوق اول اول پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک اور تاریخدان سر کلفوڈ البٹ کہتا ہے۔ کہ دنیا کی تواریخ میں اس قسم کے معجزانہ معالجات کا ذکر اس کثرت سے کہیں نہیں ملتا۔ جیسا کہ قدیم روما کی طب اور شفا کے دیوتاؤں کے مندروں میں"۔ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر لنڈن کواٹرلی ریویو کے نامہ نگار کے خیال میں اس قسم کے معالجات سے عیسائیت کو کوئی تعلق ہے۔ بلکہ ان کی تشریح مکمل طور پر موجودہ سائنس سے ہوسکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اعتقادی رنگ میں بیماروں کے علاج کرنے کی مثالیں دیکھنے کے لئے ہمیں موجودہ قانون طب سے باہر نہیں جانا پڑتا۔ ہر ایک ڈاکٹر کو اس قسم کے بہت سے مریض ہر روز ملتے ہیں۔ اور ہر ایک عمدہ ہسپتال میں اس قسم کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۸۔ جون سنہ ۱۹۱۰ء کے برٹش میڈیکل جرنل میں پروفیسر آسلر اور مسٹر ہٹلن بہت سی اس قسم کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی فہرست غیر محدود طور پر بڑھ سکتی ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ضروری ہے۔ کہ ہر ایک ڈاکٹر میں اپنے مریض کا اعتقاد حاصل کرنے کی ایک بھاری قوت ہونی چاہیئے۔ اور یہی اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر کوئی مریض اپنا اعتقاد کسی ڈاکٹر سے اٹھالے۔ تو پھر اس ڈاکٹر کے لئے اس کا علاج کرنا نہایت مشکل ہو جاوے گا۔ غرضکہ ایسا اثر جو کہ انسانی دل کا اس کے جسم پر ہوتا ہے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ایسی مثالیں ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ہر ایک آدمی اُن اثرات سے خوب واقف ہے۔ جو کہ انسان کے جسم پر کسی ڈر۔ خوف۔ غضب یا مایوسی کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خوش ہو۔ تو وہ خوشی اس کے وجود سے

ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس کا جسم سیدھا ہوتا ہے۔ قدم مضبوط ہوتے ہیں آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور چہرہ بشاش ہوتا ہے۔ اور اس کے تمام وجود سے ایک قسم کی ہوشیاری اور تروتازگی ٹپکتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس کو کوئی بُری خبر سُنادی جاوے۔ تو اس کا جسم مُرجھا جاتا ہے۔ پاؤں بوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور چہرہ پر سُستی اور پژمردگی چھا جاتی ہے۔ غرضکہ دل کی ہر ایک حالت اس کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے۔ غضب میں آنکھوں سے آگ برستی ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ جاتی ہیں........ اور وہ ایسی تیزی سے چلتا ہے۔ کہ دیکھنے والا ڈر جاتا ہے۔ کون ہے جو کہ پاکدامنی کی بشاشت اور بدکاری کی زردی سے خوب واقف نہیں ہے۔ ہم روزانہ گفتگو میں سنتے ہیں۔ کہ فلاں کا دل خوشی سے اُٹھ رہا ہے۔ اور فلاں کا ڈر کے مارے گرتا جاتا ہے۔ دل کے جذبات کا جو اثر اعصاب اور رگوں پر ہوتا ہے۔ اس سے جسم کے تمام اعضا مؤثر ہو جاتے ہیں۔ پھیپھڑہ۔ دل معدہ۔ انتڑیاں۔ جگر۔ گُردے اور اور اعضا کے عمل بگڑ جاتے ہیں۔ جب غم دُور ہو جاتا ہے۔ تو ہم زیادہ آرام سے سانس لیتے ہیں۔ جب طبیعت میں کوئی جوش ہوتا ہے۔ تو ہمارے دل کی رفتار زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ بُری خبر کے سُننے سے بھوک نہیں لگتی۔ اور ہمارا معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ امتحان کا جوش عام طور پر ہمارے گردوں کی تیزی کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ تغیرات تو طبعی افعال میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر بیماریوں پر بھی اس کے ایسے ہی تغیرات ہیں۔ کسی صدمہ سے انسان کو بیخودی ہو جاتی ہے۔ یا وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ یا مر جاتا ہے۔ یا برخلاف اس کے کئی بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی مثالیں ہیں۔ کہ وہ مرد اور عورتیں جو کہ بستروں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اور جن کے اعضاء بہت بُری طرح سے جُڑ گئے تھے۔ جب اچانک "آگ" "آگ" کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی۔ تو وہ بستروں سے باہر کو دپڑے۔ اور ایسے بھاگے۔ کہ گویا بیمار ہی نہ تھے۔ یہ مسلمہ بات ہے۔ کہ بہت سے غموں کیوجہ سے انسان یرقان اور ذیابیطس ایسی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتا ہے صدمے کا

غدود گردن پر بعض دفعہ ایسا اثر ہوتا ہے۔ کہ گلھڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اچانک ڈر سی عام طور پر رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غضب بہت دفعہ نقرس پیدا کر دیتا ہے۔ اور بہت دفعہ اس کا ایک عمدہ علاج بھی ہو جاتا ہے۔ غالباً انسانی جذبات کا سب سے بھاری اثر اس کے جسم کی غدودوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً غدود علق و دماغ خصیۃ الرحم اور معدہ اور انتڑیوں کے غدود۔ اور ان غدودوں کا اجزائے بدن۔ غذا اور قویٰ سے بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا ہم نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ کہ خیالات کا اثر جسم کی بناوٹ اور اس کے اجزا پر بہت ہی بھاری ہوتا ہے۔ پھر دوران بیماری میں بھی ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے بیماری رک سکتی ہے۔ اس کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ یا اس کی ترقی میں کمی واقعہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ خیالات کا اثر ان بیماریوں میں بہت ہی بیّن ہوتا ہے۔ جن میں کہ انسانی جسم کی بناوٹ میں کچھ تغیر واقعہ نہیں ہوتا۔ مگر دوسری بیماریوں میں بھی اثر ضرور ہوتا ہے۔ ان بیماریوں میں بھی جو کہ اجرام کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس اثر کو ہم معدوم نہیں سمجھ سکتے۔ غالباً یہ اثر اجرام پر تو نہیں ہوتا۔ مگر جسم میں اور اس خوراک میں جس سے کہ یہ پرورش پاتے ہیں۔ ایک تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس سے ان کی طاقت اور تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔

حق بات تو یہ ہے۔ کہ یہ کہنا موجودہ سائنس کے ہرگز خلاف نہ ہوگا۔ کہ انسانی اعتقادات اور جذبات کا اثر بُرا یا اچھا انسانی بیماریوں پر ضرور ہوتا ہے۔ معمولی خیالات کا بھی بیّن اثر ہوتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت یہ امر روشن ہے۔ کہ جو روحانی وجد اور جذبہ سینٹ فرینسس اور سینٹ تھیریسا کے معبدوں میں دیکھا جاتا ہے۔ ضرور اس سے عجیب نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ لڑائی کے وقت میں سپاہیوں کو اپنے زخموں کا پتہ تک نہیں لگتا۔ شہدا اپنی چتا پر ان تمام عذابوں اور تکلیفوں سے بے پروا نظر آتے ہیں۔ کہ جس کا صرف بیان ہی ایک شاہ زور آدمی کا کلیجہ ہلا دیتا ہے۔ جب کسی بچہ کی جان خطرہ میں ہو۔ تو ماں اپنی جان سے بے پروا ہو جاتی

ہے۔ ضعیف سے ضعیف وجود بھی بعض دفعہ اس قسم کا صبر اور استقامت دکھلاتے ہیں۔ جو کہ انسانی احاطہ سے باہر ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس طرح سے برداشت کرتے ہیں کہ معمولی حالت میں ہرگز برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ یقیناً اس میں فیل ہو جاتے۔ اعتقاد کی مدد سے بیمار اپنی تکلیفات کو بھول جاتا ہے۔ اور دل کو اس بیماری کے نیک نتائج پر متوجہ کر لیتا ہے۔ اور اُن فوائد کو سوچتا ہے۔ جو کہ اُس کی بیماری سے مترتب ہونیوالے ہوتے ہیں۔ اعتقاد ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی مدد سے ایک عورت ہو کہ اختناق الرحم جیسی بیماری میں مُبتلا ہو۔ اپنی دردوں اور تکلیفات کو بھول سکتی ہے۔ اور ان کو بہت ہی معمولی اور حقیر سمجھکر اپنے آپ کو بہت ہی خوشگوار اور فرحت آمیز نتائج کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ جو کہ اس سے پیدا ہونیوالے ہیں۔ اس کا ... اعتقاد اس کے ڈر کو دُور کر دیتا ہے۔ اور بیمار بستر پر زندگانی کی اُمنگیں پیدا کرنے سے علاج کرنیوالے ڈاکٹر کا بہت ہی بھارا معاون بن جاتا ہے!

مندرجہ بالا بیان ایسے خیال کو جڑھ سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ کہ بغیر دوائیوں کی مدد کے بیماروں کا اچھا ہو جانا عیسائیت کی سچائی کی دلیل ہے۔

ایسی بیماریوں کا علاج اِن طریقوں سے اس وقت ہوتا تھا۔ جبکہ یسوع مسیح ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ بیماریوں کے علاج کا یہ طریقہ نہ صرف عیسائیوں تک ہی محدود رہا ہے۔ بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے بھی اس نسخہ کو نہایت کامیابی سے برتا ہے۔ لہٰذا یہ بالکل ہنسی ہوگی۔ اگر ہم یہ کہیں۔ کہ اس قسم کا علاج عیسائیت کا ایک معجزہ ہے۔ یہ کسی مذہب کا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ چند بیماریوں کے اچھا کرنے کا ایک قدرتی علاج ہے۔ جس کو ہر ایک شخص مرد یا عورت استعمال کر سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب یا ملک کا ہو۔ بلکہ عیسائی ممالک میں بھی جو آدمی کہ اس قسم کا علاج کرتے ہیں۔ وہ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے۔ کہ اُنہیں یہ طاقت مسیح سے ملی ہے۔ بلکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ٹھہراتے ہیں۔ ایسے وجود کی مثال مسٹر اڈی آنجہانی میں پائی جاتی ہے۔ جس نے کہ ایک ایسی تحریک کی

بنیاد ڈالی ہے۔ جس کا نام کرسچن سائینس ہے۔ اس تحریک کی بابت بی ڈی صاحب یہ لکھتے ہیں۔ کہ "اس تحریک کے محرک اس کو ایک الٰہی مذہب قرار دیتے ہیں۔ جسکی غرض یہ ہے کہ موجودہ رواجی عیسائیت کو منسوخ کر کے خود اُس کی جگہ قائم ہو"۔

اس فرقہ کی ایک کتاب ہے۔ جس کا نام سائینس اینڈ فیتھ ہے۔ اور جو کہ مسز اڈی کے زعم میں اپنے پایہ میں انجیل سے کچھ کم نہیں۔ مسز اڈی کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ اُسی طاقت سے بیماروں کو اچھا کرتی ہے۔ جس سے یسوع مسیح اچھا کرتا تھا بلکہ اس نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس کی طاقت یسوع سے بڑھکر ہے۔ یسوع کو الہام کا صرف ایک حصہ دیا گیا تھا۔ اور میرے کلام میں اس کی تکمیل کی گئی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ کہ اگر یسوع کو وہ طاقت ملتی جو کہ مجھ کو ملی ہے۔ تو وہ ہرگز صلیب کی موت سے نہ مرتا۔ اور نہ وہ اپنی موت کی پیشگوی کر کے۔ اتنی جلدی موت کے مُنہ میں جاتا"

اگرچہ لنڈن کو اٹرلی ریویو کی رائے اس مذہب اور فرقہ کے بارہ میں اچھی نہیں ہے مگر وہ اس بات کے ماننے پر مجبور ہے کہ اس قسم کے علاج نہ صرف مسز اڈی (بانیہ فرقہ) نے کیئے ہیں۔ بلکہ اس کے مریدوں سے بھی ظہور میں آئے ہیں۔ اس کا مقولہ ہے۔ کہ "کرسچن سائینس کو ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے" اور وہ دوسری جگہ کہتا ہے۔ "بعض قسم کے امراض میں اس کو بہت ہی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے" اس سے صرف یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ کہ مسز ایڈی کے پیرو بعض بیماریوں کا علاج ایسے طریقوں سے کرتے ہیں۔ جو کہ عام طریقوں سے جدا ہیں۔ تو کیا اپی فنی کا ایڈیٹر ایسے معالجات کو بھی معجزات قرار دیتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریگا۔ جبکہ اس موجودہ نئے طریقے کا بانی ایک ایسا وجود ہے۔ جو اپنے آپ کو یسوع کا حریف ظاہر کرتا ہے۔ اور زور سے اعلان کرتا ہے۔ کہ اس کی طاقتیں یسوع سے کہیں زیادہ ہیں۔

میں یہ امر بھی بیان کرنے سے رُک نہیں سکتا۔ کہ اپی فنی کا ایڈیٹر اس بات پر

زور دیتا ہے۔ کہ مقام لورڈ میں بیماروں کا اچھا ہونا عیسائیت کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتلاتا کہ یہ معجزہ بہت سی حالتوں میں فیل ہوجاتا ہے۔ اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیوں حضرت یسوع مسیح اپنے وعدہ کو اکثر مریضوں کی صورت میں ایفا نہیں کرتے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے۔ کہ یہ کوئی معجزہ یا کسی وعدہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہنر ہے۔ اور جتنا ایک ہنرور زیادہ مشّاق ہوگا۔ اتنا ہی وہ زیادہ کامیاب اور لائق ہوگا۔ یہ ایک بیہودگی ہے۔ کہ ہم ایسی باتوں کو معجزے جیسے متبرک ناموں سے یاد کریں۔ بلکہ ایسی باتوں سے صرف یہ پایا جاتا ہے۔ کہ مسیحیوں کے پاس کوئی ایسے سچّے معجزے نہیں ہیں جن کو وہ پیش کر سکیں اور جب ان کو لوگ مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مذہب کی سچائی حقیقی معجزات سے ثابت کریں۔ تو وہ ایسے نام کے معجزات پیش کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ایسے معجزات سے عیسائیت کا سچّا ثابت ہونا تو درکنار بلکہ ان سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے۔ کہ کہیں وہ معجزات جو کہ انجیل میں حضرت یسوع مسیح کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہنروں کے کارنامے نہ ہوں انجیل کے معجزات اول تو غیر مستند ہیں۔ مگر ان کو اگر بفرض محال سچّا بھی مان لیا جاوے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ بھی ایسی ہی طاقتوں کا اظہار ہیں۔ جیسی کہ موجودہ زمانے میں بعض مشّاق لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ سچّے عیسائیوں کا نشان حضرت مسیح علیہ السلام نے بتلایا ہے۔ وہ ایسے واقعات سے بالکل علیحدہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی سچّا مسیحی کسی بیمار کو چھو جاوے گا۔ تو وہ فی الفور تندرست ہو جاویگا۔ مسیح کے الفاظ یہ ہیں۔ "وے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یے علامتیں ہونگی کہ وے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے۔ اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے اُنہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے"

اگر مذکورہ مقامات میں بیماروں کا تندرست ہو جانا اُس وعدے کے ماتحت ہے جو کہ حضرت یسوع مسیح نے مندرجہ بالا ورسوں میں کیا ہے۔ تو بیماروں کو فی الفور اچھا ہو جانا چاہیئے۔ اور اس کے لیئے صرف ہاتھ سے چھونا ہی کافی ہونا چاہیئے۔ مگر اس طرح پر بیماروں کا تندرست ہو جانا کسی جگہ پر وقوع میں نہیں آیا۔ اور تو اور لورڈ میں بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ دوسرے ایڈیٹر صاحب یہ بتلانے سے بھی قاصر ہیں۔ کہ ایسے واقعات کیوں کسی خاص جگہ پر مخصوص ہیں۔ اور اگر یسوع مسیح کے وعدے سچے ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب کو اس پر ایمان ہے۔ تو اُس کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ بھی اس قسم کے معجزات اپنے ہاتھوں سے عمل میں لاوے۔ بلکہ یسوع کے الفاظ کے مطابق ایسے معجزات ہر ایک مشنری کا دستور العمل ہونے چاہیئے۔ لامحالہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ یا تو حضرت یسوع مسیح کا قول درست نہیں۔ اور یا تمام دنیا میں کوئی سچا عیسائی نہیں ہے۔

علاوہ بریں حضرت یسوع مسیحؑ صرف اس ایک نشان کا ہی ذکر نہیں فرماتے۔ وہ اُن لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں۔ چار اور نشان بھی بتلاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں (۱) وہ دیووں کو نکالیں گے۔ (۲) نئی زبانیں بولیں گے۔ (۳) وہ سانپوں کو پکڑ سکیں گے۔ (۴) اگر وہ کسی مہلک چیز کو پی جاویں گے۔ تو وہ ان کو ضرر نہیں پہنچائے گی۔ اب ایڈیٹر صاحب اس بات پر تو روشنی نہیں ڈالتے۔ کہ کیوں پہلے چار نشانات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صرف پانچواں ہی ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی نہ اُس طور پر جس طور پر کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی قابل افسوس ہے۔ کہ پانچواں نشان جو کہ ایپی فنی کے ایڈیٹر کے زعم میں پورا ہو رہا ہے۔ وہ بھی صرف مسیحی صاحبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بدقسمتی سے مسیح کے ایسے وعدوں کا حصہ مسز ایڈی جیسے اشخاص کو مل چکا ہے جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ظاہر کرنے سے نہیں ٹلتے۔ جبکہ مسیح کے نہایت ہی مخلص مرید ایسے عطیہ سے محروم ہو رہے ہیں۔ یہ ایک معمہ ہے۔ جس کو کہ کوئی مسیحی حل نہیں کر سکتا۔

یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یسوع کے پہلے وعدے حواریوں کے وقت میں پورے ہوچکے ہیں۔ مگر یہ دلیل ہرگز تسلی بخش نہیں ہے۔ اوّل تو حضرت مسیح کے قول میں کوئی ذکر اس بات کا نہیں ہے۔ کہ ایسے وعدوں کا تعلق حواریوں سے تھا٭۔ بلکہ وہ صاف طور پر ان تمام سے متعلق ہیں جو کہ مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے جبکہ پانچویں وعدہ کے متعلق مسیحی صاحبان دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ وہ اس زمانہ میں پورا ہوتا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پہلے چار وعدے بھی تمام مسیحی صاحبان کے لئے تھے۔ اور کسی خاص زمانے سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ علاوہ ازیں ہمارا حق ہے۔ کہ ہم حواریوں کے معجزات کو بھی بناوٹی قصّے اور کہانیاں ہی سمجھیں جبکہ موجودہ زمانہ میں سچے سے سچے مسیحی بھی ایسے تمام معجزات سے عاجز اور عاری ہیں

پھر حضرت مسیحؑ نے ایمانداروں کے لئے صرف یہی نشان مقرر نہیں کئے کہ وے دیووں کو نکالیں گے۔ نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو پکڑیں گے اور سانپ اُن کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر کوئی مہلک زہر پی جائیں گے تو وہ اُنکو کوئی ضرر نہیں پہنچائیگی اور یہ کہ اگر وہ بیماروں اور کوڑھیوں پر ہاتھ دھرینگے تو وہ فی الفور چنگے ہو جائیں گے بلکہ آپنے ایمان کی بعض اور علامتیں بھی بیان فرمائی ہیں مگر افسوس ہے کہ جیسے یہ پانچ علامتیں مسیحی صاحبان میں نہیں پائی جاتیں۔ ایسا ہی دوسری بیان کردہ علامات بھی اُن میں بالکل مفقود ہیں۔ متی کی کتاب میں لکھا ہے۔ ”جب وے جماعت کے پاس پہنچے ایک شخص اُس (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) کے پاس آیا اور اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کے کہا۔ ای خداوند میرے بیٹے پر رحم کر کیونکہ وہ سڑی ہے اور بہت دُکھ اُٹھاتا ہے کہ اکثر آگ میں گرتا اور اکثر پانی میں۔ اور میں اسکو تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا پر وے اُسے چنگا نہ کر سکے۔ یسوع نے جواب میں کہا اے بے اعتقاد اور ٹیڑھی قوم میں کب تک تمھارے ساتھ رہونگا کبتک تمھاری برداشت کروں گا۔ اُسے یہاں میرے پاس لا۔ تب یسوع نے دیو کو دھمکایا وہ اُس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آ کے کہا ہم

٭ زہر پینے کا معجزہ جہاں تک ہمیں علم ہے کسی حواری کی طرف بھی منسوب نہیں کیا گیا۔ منہ

کیوں اسکو نکال نہ سکے۔ یسوع نے اُنہیں کہا اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔" (باب ۱۷ ورس ۱۴-۲۰) حضرت مسیحؑ کے اس قول سے جو متی نے نقل کیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک مسیحی کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہو تو وہ اگر ایک پہاڑ کو بھی حکم کرے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا تو وہ پہاڑ سچ مچ اپنی جگہ سے ہٹ جاوے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی مسیحی میں ایسی کرامت دکھانیکی طاقت ہے؟ اگر نہیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق اناجیل مروّجہ کے دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں "یسوع نے جواب میں اُنہیں کہا مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کر سکو گے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے کہو گے تو اُٹھ کر دریا میں جا گر تو ویسا ہی ہوگا" (متی ۲۱ باب۔ ورس ۲۱) لوقا لکھتا ہے کہ "اگر تم میں خردل کے دانہ کے برابر ایمان ہو تو جب تم اس تُوت کے درخت کو کہو کہ جڑھ سے اُکھڑ کے دریا میں لگ جا تو تمہاری مانیگا"۔ (باب ۱۷ ورس ۶) مرقس باب ۱۱ ورس ۲۳ میں لکھا ہے "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی اس پہاڑ کو کہے اُٹھ اور دریا میں گر پڑ اور اپنے دل میں شک نہ لاوے بلکہ یقین کرے کہ یہ باتیں جو وہ کہتا ہے ہو جائینگی تو جو کچھ وہ کہیگا سو ہوگا"۔ ان تمثیلوں سے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر ان چیزوں کا اپنی جگہ سے ٹل جانا حضرت مسیحؑ ایمان کی علامت قرار دیتے ہیں اور خود مسیح کے پیرو بھی اس امر کو ایمان کی علامت قرار دیتے تھے چنانچہ پولوس قرنتیوں کیطرف اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے "اگر مَیں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہانتک کہ مَیں پہاڑوں کو چلاؤں" (۱- قرنتیوں۔ باب ۱۳۔ ورس ۲)۔ مگر باوجودیکہ مسیحؑ حقیقی طور ان عجوبوں کو ایمان کی علامتیں قرار دیتا ہے مگر کوئی مسیحی ان علامتوں اور کرامتوں کو دکھا نہیں سکتا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے مقرر کردہ نشان کے مطابق کوئی مسیحی ایمان نہیں رکھتا۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ اُنہیں مسیحؑ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ایمان نہیں یہانتک کہ خردل کے برابر ایمان نہیں تو اُنکا یسوعؑ کے کفارہ پر بھروسہ کرنا بے سود ہے کیونکہ اس کے لیئے ایمان کی ضرورت ہے اور اُنہیں ایمان موجود نہیں۔ پس مسیحؑ کے

معیار کے رُو سے کسی مسیحی کو نجات حاصل کرنیکی اُمید نہیں کرنی چاہیئے ؛

سچ بات تو یہ ہے۔ کہ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے۔ اور یہی اسلام کے ماسوا ہر ایک مذہب کا حال ہے۔ اسلام میں ہر ایک زمانے میں ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن پر وہ تمام برکات نازل ہوتے رہے ہیں۔ جو کہ پہلے نبیوں پر ہوئے تھے۔ ایسے اشخاص حقیقت میں اسلام کے زندہ گواہ ہیں۔ اور ان کا وجود یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ اسلام ہی فی الحقیقت ایک زندہ مذہب ہے۔ ہمیں اس وقت گذشتہ زمانے کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں سے خدا نے ایک آدمی کو چُن لیا۔ وہ اس سے بولا۔ جیسا کہ وہ پہلے نبیوں سے بولتا تھا۔ یہ شخص حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی ہیں۔ آپ نے ہزارہا نشانات دکھلائے۔ اور تمام مذاہب کے اقوام کو چیلنج دیا۔ کہ وہ اپنے اپنے مذہب کی سچائی میں آسمانی نشان دکھلائیں جو نشانات حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود سے ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔ کہ جن میں مسز ایڈی جیسے اشخاص کا کوئی حصہ ہو۔ جو معجزات آپ نے دکھلائے۔ وہ زیادہ تر عظیم الشان پیشین گوئیوں پر مشتمل تھے۔ جن کے پورا ہونے نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ اُس خدائے علیم کے الفاظ تھے۔ جو کہ آسمان اور زمین کے بھیدوں سے واقف ہے۔ ان پیشین گوئیوں میں سے جو آپ نے کیں۔ بہت سی ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونے والی ہیں۔ ان کا تعلق صرف ایک ملک یا برّاعظم سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام ملکوں اور برّاعظموں پر مشتمل ہیں۔ تاکہ ان کے پورا ہونے کو تمام دنیا دیکھ سکے۔ اور اس بات کی گواہی دے۔ کہ موجودہ زمانے کا نبی برحق نبی تھا۔ وہ مسیح موعودؑ تھا۔ ہزارہا انسانوں نے اس کی زندگی میں اس کو پہچان لیا۔ اور بہت سے اسکو اب پہچان رہے ہیں۔ اور وہ دن دُور نہیں ہیں جبکہ دنیا کے مختلف اطراف کے لوگ آپ کی صداقت پر ایمان لائیں گے اور اُنمیں سے ہر ایک رو رو کر یہ کہے گا۔ یا ولی اللہ کنت لا اعرفک ؛

ریویو

بدر کامل۔ یہ ایک مذہبی ناول ہے جو حال میں بابو محمدؐ حسین صاحب احمدی کلرک لاہور چھاؤنی نے تصنیف کیا ہے اور مسلم ٹریکٹ سوسائٹی لاہور کی طرف سے شایع ہوا ہے۔ اس میں ایک آریہ کے بیس سوالات کا نہایت متانت اور معقولیت کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل مضامین پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔ کُن سے فیکون ہونے کی بحث۔ عبادت کی فلاسفی۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کی ضرورت اور غرض۔ یوم جمعہ کے مقاصد۔ دوزخ و بہشت۔ استغفار۔ شیطان کا وجود۔ اسلام کی صداقت۔ معجزات و کرامات۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت۔

مسلم ٹریکٹ سوسائٹی کی غرض جس کی طرف سے یہ رسالہ شایع کیا گیا ہے یہ ہے کہ مختصر ٹریکٹوں اور رسالوں کے ذریعہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور توسیع کیجاوے اور نوجوانان اسلام کو احکام دین پر کاربند ہونے اور اسلام کی اشاعت کے کام میں مدد دینے پر اُبھارا جائے۔ کتاب زیر ریویو ۱۰۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت ۴ ملنے کا پتہ منشی دوست محمدؐ صاحب مینجر مسلم ٹریکٹ سوسائٹی معرفت میاں ہدایت اللہ صاحب۔ کوچہ چابکسواراں۔ لاہور۔

مباحثہ مونگیر۔ اس رسالہ میں وہ عربی پرچہ بمعہ ترجمہ و تشریح شایع کیا گیا ہے جو مونگیر کے مباحثہ کے موقعہ پر ہماری جماعت کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اس میں حضرت عیسیٰ بن مریم کی وفات اور مسیح موعودؑ کی صداقت کو مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ دیباچہ میں مباحثہ مذکور کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے۔ قیمت ۴ ملنے کا پتہ میر قاسم علی صاحب۔

تصدیق کلام ربانی:۔ مصنفہ مولوی سید صادق حسین صاحب مختار عدالت۔ اٹاوہ۔ اس میں ایک آریہ کے ان اعتراضات کا تحقیقی اور الزامی جوابات کے ذریعہ خوب قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نے ایک ٹریکٹ (مسلمانی کے بانی کی کہانی) کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

ایک ضروری اعلان

Digitized by Khilafat Library

میرے دوستو! میں دردِ دل سے یہ اعلان شائع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمھاری بھلائی کے لیئے کرتا ہوں میرے دل کو بہت دُکھ پہنچتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ تم میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے اصل فرض سے غافل ہو کر نکمّی بحثوں اور لغو جھگڑوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ کیا تم اس بات سے واقف نہیں ہو کہ کس غرض کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو دنیا میں قائم کیا ہے۔ یاد رکھو کہ جن بحثوں اور جھگڑوں کو تم تازہ کرنا چاہتے ہو انہی کے لیئے یہ سلسلہ قائم ہوا ہے پس اگر تم اس سچّی راہ پر قدم نہ مارو گے جو تمھیں دکھائی گئی ہے اور جس کی حجّت بھی تم پر پوری ہو چکی ہے تو خدا کو بھی تمھاری کوئی پروا نہیں مایعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم۔ تم وہ لوگ ہو جو ایک دفعہ نہیں دو دفعہ یہ معاہدہ اللہ تعالےٰ کے حضور کر چکے ہو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑتا ہے وہ سخت قابلِ مواخذہ ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے کچھ چیز نہیں۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو دعویٰ کرنے میں تو سب سے آگے قدم رکھتے ہیں مگر عمل کے وقت کچھ بھی نہیں۔ اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ تم مرزا صاحب پر ایمان لائے ہو تو یہ دعویٰ کسی وقعت کے قابل نہیں جبتک تم اپنے عمل سے اس دعویٰ کی سچّائی کو ثابت کر کے نہ دکھاؤ۔ جبتک ان کاموں میں دلی جوش اور سچّی ہمدردی سے حصہ نہ لو جو تمھیں کرنے کے لیئے کہا گیا ہے۔ اور صدقِ دل سے ان احکام کے بجالانے میں ساعی نہ رہو جو تم کو دیئے گئے ہیں۔ میں اپنے

نفس کے لئے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ ان اجری الا علی اللہ۔ بلکہ تمھاری بھلائی کے لئے تمھیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم چندوں میں سُستی کو چھوڑ دو۔ مَیں تمھیں اس اشتہار کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں آخری فیصلہ قرار دیا ہے۔ جس میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے۔ "یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں۔ مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میرا اُنہیں سے پیوند ہے یعنی وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔ مگر بہتیرے ایسے ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں سو ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اس نئے انتظام کے بعد نئے سرے عہد کر کے اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں کہ وہ ایک فرض حتمی کے طور پر اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے۔ مگر چاہیئے کہ اس میں لاف گزاف نہ ہو جیسا کہ پہلے بعض سے ظہور میں آیا کہ اپنی زبان پر وہ قائم نہ رہ سکے سو انہوں نے خدا کا گناہ کیا جو عہد کو توڑا .... اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے جواب کا انتظار کیا جائے گا۔ کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لئے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جاویگا اور مشتہر کر دیا جائے گا۔ اور اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کر کے تین ماہ تک چندہ کے بھیجنے سے لاپرواہی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپرواہ جو انصار میں داخل نہیں۔ اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہیگا۔"

اب اس سے بڑھکر مَیں تمھیں کیا کہہ سکتا ہوں جو لوگ چندہ نہیں دیتے یا چندہ دینے میں سُستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں وہ خود ہی سوچ لیں کہ کہاں تک وہ احمدی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دوسروں کا فتویٰ پوچھتے ہیں اور اپنی حالتوں پر کچھ غور نہیں کرتے۔ بہت سے آدمی ہماری نگاہ میں ہیں جنہیں بہت کچھ دعویٰ ہے کہ ہم یہ ہیں اور یہ ہیں مگر وہ دیتے کچھ نہیں۔ وہ خدا کے لئے سوچیں

کہ آیا وہ حقیقی طور پر اس سلسلہ میں شامل بھی ہیں؟ خدا کو وہی لوگ پیارے ہیں جو اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے پختہ کرتے ہیں۔ بعض ایسے مخلص بھی ہیں جو بہت غریب ہیں اور اپنے لئے کوئی سبیل معاش بھی نہیں رکھتے مگر باایں جب ان کو کچھ مل جاتا ہے تو وہ چندہ میں دیتے ہیں۔ جیسے یہاں حافظ معین الدین حضرت صاحب کے پُرانے خادم ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ خیال کرے کہ مَیں بہت نہیں دے سکتا۔ جس حد تک کوئی شخص استطاعت رکھتا ہے اسی حد تک ادا کرے مگر یہ ضروری ہے کہ مقررہ چندہ کی ادائگی کو اپنے اوپر فرض کرلے اور وقت مقرر پر اس کی ادائگی میں غفلت نہ کرے۔ تمھارے مالوں کے اللہ کی راہ میں خرچ ہونے سے تم ہی کو فائدہ ہوگا۔ بہت سے ہیں جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ مگر دین کے لئے کچھ مانگا جائے تو یہ کہدیتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دنیا کے لئے اگر خرچ کرنیکی ضرورت ہو۔ یا محض نمود کے لئے بھی۔ تو اس بات سے بھی پرہیز نہیں کرتے کہ قرض لے کر خرچ کر دیں۔ بلکہ سود پر قرض لے کر بھی خرچ کر لیتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ خدا کی راہ میں دینے کے لئے کیوں وہ ویسا جوش نہیں دکھا سکتے جو دنیا کے لئے خرچ کرنے میں دکھاتے ہیں۔ کیا اس سے ان کا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا۔

دیکھو مَیں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم روپے کو اپنا معبود مت بناؤ۔ یہ تمھارے کسی کام نہیں آئے گا۔ جس نفس کی حظ کے لئے۔ جس اہل وعیال کے لئے۔ جن دوستوں کے لئے۔ تم ناجائز کماؤ گے یا خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رُکو گے وہ تمھیں کبھی کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ اور اس طرح سے تمھارے دل کو کبھی اطمینان اور خوشی نصیب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حرص کی جلن دن بدن ترقی کرتی چلی جاوے گی اور تمھارے ایمان کو بھی برباد کر کے چھوڑے گی۔

یہاں ایک لنگر خانہ ہے۔ جو ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنے دنیوی کاروبار سے فراغت کا وقت نکال کر یہاں علم دین سیکھنے کے لیئے آتے ہیں۔ یہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی شاخ ہے۔ وہ بھی اس وقت قریباً دو ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اگر سب احمدی اپنے اوپر حسب استطاعت ایک رقم مقرر کر کے اسے باقاعدہ ادا کریں تو اس کے اخراجات بآسانی چل سکتے ہیں۔ مگر بہت ہیں جن کو باوجود بار بار کی تاکید کے اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ یا کوئی رقم مقرر کر کے وعدہ کر لیتے ہیں تو پھر ادا نہیں کرتے۔ پھر ایک مدرسہ ہے جس میں تمھارے بچّوں کی دنیوی و دینی تعلیم کا سامان کیا گیا ہے۔ اور اس زہریلی ہوا سے بچانے کی فکر اس میں کی جاتی ہے۔ جس نے بہت سی روحوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ایک دوسرا مدرسہ ہے جس میں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے استحکام کے لیئے ابھی بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ اشاعتِ اسلام کا سلسلہ ہے۔ یتامیٰ اور مساکین کیلیئے علیحدہ ضرورت ہے۔ ایسے ہی اور کئی قسم کے ضروری کاروبار ہیں جن میں تم سب کو حصّہ لینا ضروری ہے۔ پھر ان کے ساتھ ہر ایک کام کے لیئے عمارت کی ضرورت ہے۔ تمھیں ان اخراجات کا فکر کم از کم اتنا تو ہونا چاہیئے جتنا اپنی ضروریات کا فکر رکھتے ہو۔

مَیں آخر میں تمھیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ ہر قسم کی لغو بحثوں کو چھوڑ دو انسے نہ تمھارے دین کو فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ دنیا کو۔ آپس میں تنازعات اور جھگڑوں کو چھوڑ دو اور محبت اور رحم کا برتاؤ کرو۔ بڑے چھوٹوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور انکی تحقیر نہ کریں چھوٹے بڑوں کا ادب کریں۔ چاہیئے کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور اگر ایک شخص زیادتی کرتا ہے تو دوسرا بجائے بالمقابل جواب دینے کے صبر سے کام لے ان اغراض کے لیئے جو اس سلسلہ کے اہم اغراض ہیں۔ چندہ دینے کو اپنے اوپر فرض کر لو۔ دنیا کی حرص کو کم کرو۔ اور ہر ایک قسم کے ناجائز طریق حصول روپیہ کو سخت آگ سمجھو۔ مَینے محض تمھاری خیر خواہی کے لیئے اور تمھارے ساتھ

ہمدردی کی وجہ سے یہ باتیں تم کو کہی ہیں۔ اگر تم ان باتوں کو مان لوگے۔ تو دنیا اور آخرت میں سکھ پاؤگے ۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

۷ر اکتوبر ۱۹۱۱ء

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

قادیان

اس ماہ کی رپورٹ میں۔ مَیں احباب کو صرف لنگرخانہ و مہمانخانہ کی ضروریات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ باوجود بارہا اپیلوں کے لنگرخانہ کا فنڈ ابتک قریب دو ہزار روپے کا مقروض چلا آتا ہے۔ اور اب جلسہ سالانہ جس کی وجہ سے لنگرخانہ کا فنڈ قرض کے بوجھ کے نیچے دب جایا کرتا ہے۔ پھر قریب چلا آتا ہے گو لنگرخانہ کی مستقل آمد اس کے ضروری اخراجات کے لیئے مکتفی نہیں۔ مگر کسی قدر تنگی کے ساتھ یہ گذارہ ہوتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ کسی غیر معمولی خرچ کا بوجھ اس فنڈ پر نہ پڑے۔ ان غیر معمولی اخراجات میں سے جلسہ سالانہ کا خرچ بھی ایک ہے۔ تین سال سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جلسہ سالانہ کے خرچ کے لیئے علیحدہ چندہ اس قدر ہو جایا کرے جس سے لنگرخانہ پر کوئی بوجھ نہ پڑے مگر سوائے پہلے سال کے یہ خاص چندہ اخراجات کے نصف تک بمشکل پہنچتا رہا ہے۔ اس لیئے اس دفعہ اس انتظام کے لیئے ہمارے مخلص احباب کی خاص توجہ بکار ہوگی۔ مگر قبل اس کے کہ اس مشکل کا علاج کیا جاوے دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اس وقت جو قریباً دو ہزار روپے کا بوجھ لنگرخانہ پر ہے اس کو فی الفور دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ

اس وقت موسم سرما کی وجہ سے بہت سے مزید اخراجات بھی کرنے پڑیں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی لنگرخانہ کے اخراجات کے چلانے کے لیئے ایسی مشکلات پیش آجایا کرتی تھیں اور ایسے موقعہ پر جماعت کو خاص چندے کے لیئے آپ تحریک فرمایا کرتے تھے۔ اسی کی تتبع میں مَیں مخلص احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اس رقم کو پورا کرنے کی کوشش فرماویں۔ مَیں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت بظاہر ایک قسم کے قحط کے آثار ہیں۔ مگر ایسے ہی تنگی کے اوقات میں خدا کی راہ میں دینا بھی ہمت کا کام ہے۔ میری یہ اپیل ان لوگوں سے نہیں جو خدا کی راہ میں دیکر جلد تھک جاتے ہوں بلکہ میرا روئے سخن ایک ایسی قوم کی طرف ہے جس نے دین کے لیئے اس زمانہ میں اپنے مالوں کی قربانی میں بہت حد تک اس پاک جماعت کے قدم پر قدم مارنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ گو یہ افسوس کی بات ہے کہ اس جماعت کے بہت سے افراد ابھی باقاعدہ تھوڑا چندہ دینے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔ تاہم جہاں اس وقت دنیا کے اکثر لوگوں نے روپے پیسے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ خدا کے مسیح کی قائم کردہ جماعت نے اپنے امتیازی نشان "دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ میرے دوستو! درحقیقت یہی وہ جھنڈا ہے جس کو ہاتھ میں لیکر تم لیظھرہ علی الدین کلہ کی پاک پیشگوئی کے پورا کرنے میں معاون ٹھہر سکتے ہو۔ اگر کوشش کی جاوے تو اس رقم کا پورا ہونا ایک جماعت کی ہمت کے سامنے کچھ بھی بات نہیں۔ بہت سے ایسے ہمارے احباب ہونگے جن سے باقاعدہ چندوں کی ادائگی میں اکثر مرتبہ کوتاہی ہوئی ہوگی کیا وہ کچھ تھوڑا سا یکمشت چندہ اس قرض کو دور کرنے کے لیئے [illegible] اسکا سمجھیں گے؟ ایسے

احباب کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ وہ اس گناہ کے کفارہ کے طور پر کہ انہوں نے حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق باقاعدہ چندہ ادا کرنے میں کبھی کبھی کوتاہی کی ہے اس موقعہ پر حسب استطاعت یکمشت چندوں سے مدد فرماویں۔ اور جو احباب باقاعدہ ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ توفیق انکو دی کہ اس کار خیر میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی وہ اس کے شکریہ میں کچھ مدد فرماویں اللہ تعالیٰ ان کے اجروں کو ضائع نہیں کریگا ؏

دوسری ضرورت جو میں اس موقعہ پر پیش کرنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی تعداد میں روز بروز ترقی ہے۔ اکثر احباب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں آئے تھے یا کم آتے تھے اس غلطی کو محسوس کیا ہے۔ اور اب وہ اس برگزیدہ کے خلیفہ کے انفاس طیبہ اور پاک کلمات اور نیک صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے درس قرآن کریم سے جو اس زمانہ میں ایک ایسی برکت ہے جس کا دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غرضکہ مہمانوں کی آمدورفت میں بہ نسبت سابق بہت ترقی ہے۔ مگر یہاں مہمانخانہ میں ان سب احباب کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔ اس بات کو چھوڑ کر بھی کہ بعض معزز مہمانوں کے لئے کسی قدر آسائش کی جگہ مل سکے عام طور پر جو مہمان مہمانخانہ میں رہتے ہیں ان کے لئے بھی کافی جگہ نہیں۔ ابھی اسی سال لنگر خانہ کی بھی نئی عمارت بنائی گئی ہے جس پر قریب ایک ہزار روپے کے خرچ ہوا ہے۔ ادھر صیغہ جائداد دس ہزار روپے کی ایڈ گورنمنٹ سے وصول کرنے کے بعد بھی قریب ایک ہزار روپے کا مقروض رہے گا۔ اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ مہمانخانہ کی عمارت کے لئے کم از کم دو ہزار روپیہ فراہم کرنے کی کوشش کیجاوے

اس وقت زمین سابقہ مہمانخانہ کے ساتھ تین سو روپے کی خریدی جا چکی ہے جو منشی عبدالمجید خاں صاحب کپورتھلوی سے لی گئی ہے۔ اب اس پر عمارت کیلئے اگر دو ہزار روپیہ جلد فراہم ہو جاوے تو جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک مختصر سا مہمانخانہ اور بن سکتا ہے جس سے مہمانوں کی تکالیف رفع ہو جاویں۔ ہائی سکول کا بورڈنگ ہوس باہر جانے سے جس قدر جگہ خالی ہوئی تھی وہ سکول کی اپنی ضروریات اور مدرسہ احمدیہ کی جماعتوں اور بورڈران کی ضروریات کو بھی مکتفی نہیں ہو سکی بلکہ اس وقت بھی ایک جماعت ہائی سکول کی جامع مسجد میں بٹھائی جاتی ہے؛

پس یہ دو ضرورتیں ہیں جو میں اس وقت احباب کی خدمت میں پیش کر کے ملتجی ہوں کہ ان کی طرف بہت جلد توجہ فرما کر ممنون فرماویں۔ انجمنوں کے سکرٹری ہر جگہ ان دونوں تجاویز کو اپنی انجمنوں میں پیش کر کے ہر دو ضروریات کے لیئے علیحدہ علیحدہ چندہ کریں اور جو روپیہ اس طرح پر ان دونوں ضرورتوں کے لیئے خاص چندوں سے وصول ہو وہ محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام اسی تفصیل کے ساتھ ارسال فرماویں یعنی قرضہ لنگرخانہ کا روپیہ علیحدہ اور چندہ تعمیر مہمانخانہ کا روپیہ علیحدہ۔ یا اگر اکٹھا چندہ کریں تو صرف اس تحریک کا حوالہ دیکر چندہ ارسال فرماویں یہاں ہر دو ضروریات کے لیئے نصف نصف کر لیا جاوے گا؛

والسلام

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

عبرت :- یہ ایک ناول ہے جو ایک مکرمہ خاتون (اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب) کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ قصہ کے اثنا میں بعض ایسے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو غیر مذاہب کے لوگ خصوصاً مسیحی صاحبان اسلام پر کرتے ہیں اور جن سے ناواقف لوگوں کو دھوکہ لگ سکتا ہے۔ نیز جابجا نصائح اور وعظ سے کام لیا گیا ہے۔ اگرچہ ناول نویسی اور ناول خوانی بعض ضرر بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ مگر ہم اس بات کے اظہار سے نہیں رُک سکتے کہ لائق مصنفہ نے اس ناول کو محض نیک نیتی سے لکھا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور اس سے بہتر دینی کاموں کے سرانجام کرنے کی اُن کو توفیق عطا فرماوے۔ قیمت ۸ر ملنے کا پتہ مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق واحمدی۔ تراہا بیرام خان۔ دہلی :

نبی اللہ کا ظہور حصہ اول :- یہ ۱۲۶ صفحہ کی چھوٹی تختی کی ایک کتاب ہے جو ہمارے دوست منشی محمد ظہیر الدین صاحب نے حال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق میں تصنیف کی ہے اس میں لفظ خاتم النبیین پر بڑی بسط اور تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے مفید اور قیمتی مضمون اس میں شامل ہیں اور بہت سے شبہات اور اعتراضات کو نہایت مدلل طور سے دُور کیا گیا ہے۔ بہت سی قرآنی آیات پر لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ قرآن شریف نے جو نشانات ایک سچے مرسل کے لیئے مقرر فرمائے ہیں اُن کو آیات کے حوالہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

رجسٹرڈ ایل نمبر

والسلام پر اُن کو چسپان کر کے دکھا دیا ہے۔ بعض نئے رقسم کے جھگڑا لو ی وساوس کا بھی خوبی سے ازالہ کیا گیا ہے کتاب واقعی قابل دید ہے کاغذ اور چھپائی بھی اچھی ہے قیمت ۵ ر ملنے کا پتہ۔ شیخ الٰہی بخش و رحیم بخش احمدی تاجران کتب گجرات۔ پنجاب ؎

Digitized by Khilafat Library

مطبع میگزین قادیان مین منیجر میگزین کے اہتمام سی طبع ہوا